۲ داتا، دے دے گیان

میراجی

پہلی بات : حمد، مناجات اور دعا کی صورتوں میں آپ گزشتہ جماعتوں میں بہت سی نظمیں پڑھ چکے ہیں۔ اس گیت میں داتا یعنی زندگی دینے والے خدا سے شاعر زندگی کی حقیقت کو جاننے کی دعا مانگ رہا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا: "زندگی ایک پہیلی ہے۔" دنیا کے بڑے عالموں اور فلسفیوں نے زندگی کی حقیقت کو اپنے اپنے طریقے سے بیان کیا ہے مگر ایک عام انسان زندگی کو سمجھ ہی نہیں پاتا۔ کیا زندگی ہر زمانے میں روپ بدل لیتی ہے؟ ذیل کے گیت میں انھی باتوں کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

جان پہچان : میراجی کا اصل نام محمد ثناءاللہ ثانی ڈار تھا۔ وہ ۲۵ مئی ۱۹۱۲ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ گھریلو حالات ایسے تھے کہ وہ میٹرک تک بھی تعلیم حاصل نہ کر سکے لیکن ان کا مطالعے کا شوق دیوانگی کی حد تک بڑھا ہوا تھا۔ انھوں نے کئی ناموں سے شاعری کی اور آل انڈیا ریڈیو (دہلی) میں ملازمت بھی کی۔ اپنے زمانے کے اہم ادبی رسالوں میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ دہلی سے وہ ممبئی آئے اور فلمی دنیا میں گیت، کہانیاں اور مکالمے لکھنے لگے۔ اُردو شاعری میں میراجی کی آواز سب سے منفرد سنائی دیتی ہے۔ ان کی نظموں، گیتوں اور غزلوں پر ہندوستانی ثقافت کے گہرے نقوش نظر آتے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے بہت کم عمر پائی لیکن اس کم عمری میں انھوں نے شاعری، نثر اور ترجمے کے میدانوں میں اعلیٰ درجے کا ادب پیش کیا۔ شاعری میں آزاد نظم اور گیت ان کے کارنامے ہیں۔ 'مشرق و مغرب کے نغمے' کے نام سے انھوں نے دنیا بھر کے اہم ادیبوں اور ان کے کاموں پر مضامین لکھے اور ترجمے کیے ہیں۔ 'میراجی کے گیت'، میراجی کی نظمیں، گیت ہی گیت' وغیرہ ان کی اہم کتابیں ہیں۔ صرف سینتیس سال کی عمر میں ۲ر نومبر ۱۹۴۹ء کو میراجی کا ممبئی میں انتقال ہوا۔

گیت شاعری کی ایک صنف ہے جو ہندی سے اُردو میں داخل ہوئی۔ گیت کا موسیقی سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ گیت میں جذبات اور احساسات کو سلیس، نرم اور شیریں الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ اُردو میں گیت کی روایت امیر خسرو سے منسوب کی جاتی ہے۔ عموماً گیت کا موضوع عشق و محبت ہوتا ہے جس میں جدائی کی تڑپ اور ملن کی خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مناظرِ فطرت، مختلف تہواروں اور حب الوطنی کے موضوعات پر بھی گیت لکھے گئے ہیں۔ ہندی میں میرا بائی اور کبیر کے گیت بہت مشہور ہیں۔ اُردو میں ابراہیم عادل شاہ ثانی، قلی قطب شاہ اور وجہی سے لے کر عظمت اللہ خاں، آرزو لکھنوی، حفیظ جالندھری، اختر شیرانی، میراجی، ندا فاضلی اور بیکل اُتساہی نے گیت کی صنف میں اہم اضافے کیے ہیں۔

داتا ، دے دے گیان
ہمارا من مورکھ ، نادان
جیون کام کی بہتی دھارا   جیون دھیان کا روپ ہے نیارا
اس کی کیا پہچان
ہمارا من مورکھ ، نادان
جیوَن کی گنگا ہے گہری   رنگ کئی ہیں ، بات اکہری

دیکھ کے دل حیران
ہمارا من مورکھ ، نادان
جب بھی مدھر بین کوئی بولے بے بس دل سنتے ہی ڈولے
بھید کا کس کو گیان
ہمارا من مورکھ ، نادان
ناچ گیت اک رات کے ساتھی سب ہیں سکھ کی بات کے ساتھی
سنگت کے سامان
ہمارا من مورکھ ، نادان
گیان دھیان کی راہ نہ سوٗجھے ایک پہیلی ، کیسے بوٗجھے
بوٗجھ بوٗجھ ہلکان
ہمارا من مورکھ ، نادان

خلاصہ : شاعر خدا سے کہہ رہا ہے کہ میں نادان ہوں، مجھے علم کی دولت عطا کر۔ میں زندگی کو سمجھنا چاہتا ہوں۔ یہ زندگی روپ بدل بدل کر سامنے آتی ہے اس لیے ہر روپ میں اسے پہچاننا آسان نہیں۔ زندگی بظاہرا کہری ہے لیکن یہ گنگا کی طرح گہری ہے۔ اس کی سطح پر جو کچھ نظر آتا ہے وہ اس کی تہہ میں نہیں۔ دل زندگی کی ہر میٹھی دھن سن کر خوش ہو جاتا ہے مگر اس کے راز کو نہیں پا سکتا۔ زندگی کی خوشیاں سب سُکھ کی ساتھی ہیں۔ یہ زندگی کی پہیلی کو نہیں سُلجھا پاتے۔

معانی و اشارات

داتا	دینے والا مراد اللہ تعالیٰ	دھیان	غور و فکر، اللہ کی یاد میں محویت
گیان	علم	مدھر	میٹھا
مورکھ	بے عقل، بے وقوف، سیدھا سادہ	سنگت	ساز بجاتے وقت بجانے والوں کا ساتھ
کام	خواہش	ہلکان	پریشان، تھکا ہوا

مشق

* ذیل کی سرگرمیاں ایک جملے میں مکمل کیجیے۔

۱۔ شاعر کے پریشان ہونے کی وجہ لکھیے۔

۲۔ نظم سے ہم معنی الفاظ کی جوڑی تلاش کر کے لکھیے۔

۳۔ صحیح متبادل لکھیے۔

* یہ نظم ایک .... گیت ہے۔

(الف) حمدیہ (ب) منقبتی (ج) مناجاتی (د) دعائیہ

* ذیل کے لیے ہم معنی الفاظ نظم سے تلاش کر کے لکھیے۔

لہر ، ساتھی ، پریشان ، غور و فکر

* ذیل کی سرگرمیاں اختصار کے ساتھ مکمل کیجیے۔

۱۔ نظم میں زندگی کے لیے استعمال ہونے والا لفظ لکھیے۔

۲۔ 'زندگی ایک ہے لیکن اس کے بہت سے روپ ہیں' اس مفہوم کے بند کو نقل کیجیے۔

۳۔ گیان، نادان جیسے دوسرے قافیے گیت سے تلاش کر کے لکھیے۔

✳ ویب خاکہ مکمل کیجیے۔

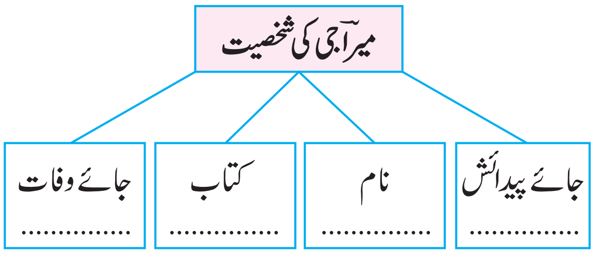

✳ اُردو میں گیت لکھنے والے چار شاعروں کا نام لکھیے۔

✳ گیت کے موضوع کی وضاحت کیجیے۔

✳ گیت میں آئے ہوئے قافیوں کی جوڑیاں بنائیے۔

✳ 'ناچ گیت اک رات کے ساتھی / سب ہیں سکھ کی بات کے ساتھی' اس شعر میں آئے ہوئے قافیے پہچانیے۔

✳ درج ذیل مثال کے مطابق دو کالم بنا کر ہندی لفظوں کے سامنے ان کے معنی لکھیے :

مثال -

ہندی	اُردو
ناچ	رقص

بے وقوف ، گیان ، شکل ، جیون ، علم ، مورکھ ، روپ ، بھید ، زندگی ، من ، راز ، دل

برسبیلِ تذکرہ

دعا

دعا اللہ تعالیٰ کے آگے نہایت بے چارگی کی حالت میں ہاتھ پھیلا کر مدد کا طالب ہونا ہے۔ آدمی اللہ کی بندگی کر کے اپنے بندہ ہونے کا عملاً اقرار کرتا ہے۔ اسے جب بھی مشکلیں درپیش آتی ہیں، وہ نہایت آہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور اپنے رب سے مدد کی درخواست کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ حکیم میں دعا مانگنے کی تاکید فرمائی ہے۔ سورۃ الاعراف میں کہا گیا ہے، "اپنے رب کو پکارو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔" دوسری جگہ سورۃ المومن میں فرمایا گیا، "مجھے پکارو میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا۔"

دعا کی اس اہمیت کے پیشِ نظر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دعا مانگنے کی ترغیب دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، "اے بندگانِ خدا! تم ضرور دعا مانگا کرو۔" دوسری جگہ آپؐ کا ارشاد ہے، "تم میں سے ہر شخص کو اپنی حاجت خدا سے مانگنا چاہیے۔" آپؐ نے اُمت کو اس طرح بھی متنبہ کیا، "جو اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔" کبھی آپؐ نے فرمایا، "دعا عین عبادت ہے۔" تو کبھی فرمایا، "دعا عبادت کا مغز ہے۔"

اس لیے بندے کو چاہیے کہ اللہ کے حضور میں اپنی ضرورتوں کو رفع کرنے کے لیے دعا مانگا کرے کہ یہی عمل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اعتراف اور بندے کی عاجزی کا اقرار ہے۔

✳ درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

ا۔ دعا کی تعریف بیان کیجیے۔

۲۔ دعا مانگنے کا طریقہ لکھیے۔

۳۔ سورۃ الاعراف میں دعا کے بارے میں جو کہا گیا ہے، اسے لکھیے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں پر غضبناک ہوتا ہے، ان کے بارے میں لکھیے۔

۵۔ دعا کے بارے میں حضرت محمدؐ کے دو قول نقل کیجیے۔

۶۔ دعا کے ذریعے ہم جو اعتراف کرتے ہیں، اسے لکھیے۔

✳ خالی جگہ پُر کیجیے۔

ا۔ آدمی اللہ کی بندگی کر کے اپنے ....ہونے کا عملاً اقرار کرتا ہے۔

۲۔ دعا کی اس اہمیت کے پیشِ نظر حضرت محمدؐ نے اس کی ....دی ہے۔

۳۔ "اے ....! تم ضرور دعا مانگا کرو۔"

۴۔ آپؐ نے اپنی ....کو اس طرح متنبہّ کیا ہے۔

۵۔ دعا ....کا مغز ہے۔

۳ بارش کی مذمّت میں

میر تقی میر

پہلی بات : کہانی کہنے سننے کا رواج دنیا کے ہر خطے میں پایا جاتا ہے۔ کہانی کہنے والا کبھی عام بول چال میں واقعات بیان کرتا ہے اور اگر وہ شاعر ہوا تو اپنی کہانی کو نظم کے روپ میں بھی سناتا ہے۔ اُردو شاعری میں یہ نظم مقفّٰی اشعار کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اکثر اس نظم کے ہر شعر میں قافیے بدلتے رہتے ہیں۔ چونکہ شعر دو مصرعوں کا مجموعہ ہوتا ہے اس لیے کہانی بیان کرنے والی ایسی نظم کو مثنوی کہتے ہیں یعنی دو دو مصرعوں کے اشعار میں کسی مسلسل واقعے کا بیان۔ گزشتہ جماعتوں میں آپ نے شہزادہ بے نظیر اور گل بکاولی کی کہانیوں پر مشتمل مشہور مثنویوں، سحر البیان اور گلزارِ نسیم کے چند واقعات پڑھے ہیں۔ مثنویوں میں شاعر اپنے حالات، اپنے شہر کے حالات، اخلاقی نصیحت اور معاشرے کے خاص افراد کی عادات بھی بیان کرتے ہیں۔ ذیل کی مثنوی میں شاعر نے ایک مرتبہ بہت زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے اپنے گھر، گلی محلے اور شہر کی خرابی کے حالات بیان کیے ہیں۔

میں یہاں بھی ہوں...

➤ آٹھویں جماعت - اُردو بال بھارتی - صفحہ ۱۶۰

جان پہچان : میر تقی میرؔ ۱۷۲۳ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے انھیں معاش کی تلاش میں دہلی جانا پڑا۔ یہاں وہ اپنے ماموں سراج الدین علی خاں آرزوؔ کے ہاں رہے۔ آرزوؔ بڑے عالم و فاضل تھے۔ میرؔ نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ جب افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں دہلی پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا تو دہلی کے بہت سے لوگ دوسرے علاقوں میں جا کر رہنے لگے۔ میرؔ بھی دہلی سے لکھنؤ آ بسے اور نواب آصف الدولہ کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ یہیں ۱۸۱۰ء میں ان کا انتقال ہوا۔

اُردو کے چار بڑے شعرا میں میرؔ کا شمار کیا جاتا ہے۔ انھوں نے غزلوں کے چھے دیوان یادگار چھوڑے ہیں۔ مرثیے، مثنویاں، قطعات اور رباعیات ان کی شاعری کا عظیم اثاثہ ہیں جن کے سبب انھیں 'خدائے سخن' کہا جاتا ہے۔ فارسی نثر میں میرؔ نے اپنی سوانح 'ذکرِ میرؔ' اور شعرا کا تذکرہ 'نکات الشعراء' جیسی اہم کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ذیل کی مثنوی میں میرؔ نے زیادہ بارش سے ہونے والے نقصانات کو شاعرانہ طرز سے بیان کیا ہے۔ زبان کی سادگی، جذبات کی شدت اور ماحول کی تصویر کشی اس مثنوی کے اشعار کی خصوصیت ہے۔

کیا کہوں اب کی کیسی ہے برسات　　جوشِ باراں سے بہہ گئی ہے بات
بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال　　چرخ گویا ہے آب در غربال
ماہ و خورشید اب نکلتے نہیں　　تارے ڈوبے ہوئے اُچھلتے نہیں
چرخ تک ہوگیا ہے پانی جو　　ماہ و ماہی ہیں ایک جا ہر دو
ابر کس کس سیاہ مستی سے　　ہوتے جاہیں بلند پستی سے
ابر کرتا ہے قطرہ افشانی　　پانی پانی رہے ہے بارانی
عقل ، مینھوں نے سب کی کھوئی ہے　　بات باراں نے یاں ڈبوئی ہے
بیٹھے اُٹھتے نہیں ہیں بام و در　　یہ خرابی ہے شہر کے اندر
جیسے دریا اُبلتے دیکھے ہیں　　یاں سو پرنالے چلتے دیکھے ہیں

ابر رحمت ہے یا کہ زحمت ہے — ایک عالم غریقِ رحمت ہے
لے گئے ہیں جہان کو سیلاب — نقشہ عالم کا ، نقش تھا برآب
نہ ہے جلسہ ، نہ ربطِ یاراں ہے — شہر میں ہے تو باد و باراں ہے
بڑی بوندوں کی چوٹ سے ڈریے — سنگ باراں جہاں ہو واں مریے
وسعتِ آب ، پوچھ مت کچھ یار — کوچے موجوں کے ہوگئے بازار
تر ہیں جو خشک اور تروں میں ہیں — جانیں اک سؤکھتی گھروں میں ہیں
ہے زراعت جو پانی نے ماری — ہوگئی آب خست ترکاری
سیل دیکھے ہیں کوہساراں کے — لیے کشتی گدا ہیں باراں کے
جزر و مد ، جس کا تا فلک جا ہے — جو ہے تالاب قہر دریا ہے
ہر طرف ہیں نظر میں ابر سیاہ — پانی ہے جس طرف کو کریے نگاہ
خضر کیوں کر کے زیست کرتا ہے — آبِ حیواں میں پانی مرتا ہے

لکھے کیا میؔر مینہ کی طغیانی
ہوگئی ہے سیاہی بھی پانی

خلاصہ : شاعر کہتا ہے کہ لگاتار بارش کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے گویا آسمان ایک چھلنی بن گیا ہے جس میں پانی تھمتا ہی نہیں۔ اس تیز بارش میں چاند نکلتا ہے نہ سورج نہ ستارے۔ گھنیرے بادل اوپر اُٹھ کر ہر طرف چھا رہے ہیں۔ بارش کی زیادتی کے سبب لوگ سوجھ بوجھ کھو بیٹھے ہیں۔ شہر میں چھتیں اور گھر ڈھے رہے ہیں۔ چھوٹی ندیاں اور پرنالے دریا کی طرح بہہ رہے ہیں۔ بارش رحمت کی بجائے زحمت بن گئی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے، پوری دنیا بارش میں ڈوب گئی ہے۔ نہ مجلسیں ہیں نہ دوستوں سے کوئی رابطہ ہے۔ بارش کی زیادتی سے کھیتیاں بھی برباد ہوگئی ہیں۔ جس طرف دیکھیے پانی ہی پانی ہے۔

معانی و اشارات

مذمت	برائی	سیاہ مستی	نشے کی حالت، مستی
جوشِ باراں	بارش کی زیادتی	جاہیں	جائیں
چرخ	آسمان	قطرہ افشانی	بوندیں ٹپکانا
آب در غربال	چھلنی میں پانی (چھلنی میں پانی نہیں ٹھہرتا، اسی مناسبت سے مراد بے فائدہ کوشش)	پانی پانی رہنا	پانی کی زیادتی ہونا
ماہ	چاند (مراد بلندی)	بارانی	بارش پر انحصار کرنے والا علاقہ، بہت کم بارش کا علاقہ
ماہی	مچھلی (مراد پستی)	عقل کھونا	عقل ختم ہونا، عقل مار دینا
کس کس	کیسی کیسی	بات ڈبونا	بات یا وعدہ پورا نہ کرنا

مینھوں - مینہ کی جمع، بارشیں
پرنالے - چھتوں سے پانی بہنے کی نالیاں
زحمت - مصیبت، رحمت کی ضد
غریقِ رحمت - رحمت میں ڈوبا ہوا (طنزاً برباد)
نقش برآب - پانی پر بنی ہوئی تصویر (جونہیں بنتی یا فوراً مٹ جاتی ہے)
ربطِ یاراں - دوستوں کی محفل

سنگِ باراں - پتھروں کی بارش مراد بڑی مصیبت
وسعتِ آب - پانی کا پھیلاؤ
مارنا - برباد کر دینا
آب خستہ ہونا - پانی کی وجہ سے خراب ہو جانا
زیست کرنا - زندگی گزارنا
آبِ حیواں - آبِ حیات (پانی جسے پی کر موت نہیں آتی)

مشق

✳ نظم کے کون کون سے اشعار سے درج ذیل مفہوم واضح ہوتے ہیں؟ وہ اشعار لکھیے۔

۱۔ لگاتار بارش کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے گویا آسمان چھلنی بن گیا ہے۔
۲۔ تیز بارش میں چاند نکلتا ہے نہ سورج، نہ ستارے۔ گھنیرے بادل اوپر اُٹھ کر ہر طرف چھا رہے ہیں۔
۳۔ بارش کی زیادتی کے سبب لوگ سوجھ بوجھ کھو بیٹھے ہیں۔
۴۔ شہر میں چھتیں اور گھر ڈھے رہے ہیں۔
۵۔ پرنالے دریا کی طرح بہہ رہے ہیں۔
۶۔ بارش رحمت کی بجائے زحمت بن گئی ہے۔
۷۔ پوری دنیا بارش میں ڈوب گئی ہے۔ نہ مجلسیں ہیں، نہ دوستوں سے کوئی رابطہ۔
۸۔ بارش کی زیادتی سے کھیتیاں برباد ہو گئی ہیں۔ جس طرف دیکھیے پانی ہی پانی ہے۔

✳ نظم سے ایسے اشعار لکھیے جن میں محاورے آئے ہیں۔

✳ نظم کے حوالے سے بارش کے نقصانات ویب خاکے کی مدد سے لکھیے۔

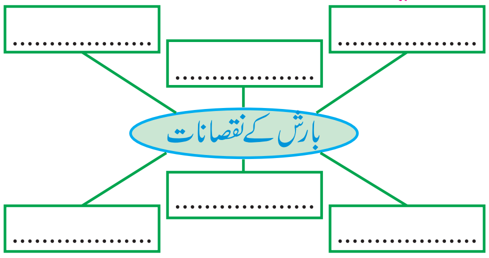

✳ شعر پڑھ کر صنعت کا نام لکھیے۔

۱۔ کیا کہوں اب کی کیسی ہے برسات
جوشِ باراں سے بہہ گئی ہے بات

۲۔ ابر رحمت ہے یا کہ زحمت ہے
ایک عالم غریقِ رحمت ہے

✳ نظم سے تلمیح کا شعر تلاش کر کے لکھیے۔

✳ دیے ہوئے الفاظ کے لیے نظم میں آئے ہوئے لفظ لکھیے۔

بارش، سورج، چاند، آسمان، پانی، تکلیف، آرام، زندگی

✳ ذیل کے مصرعوں میں خط کشیدہ لفظوں کے مفہوم کو واضح کیجیے:

۱۔ تارے <u>ڈوبے ہوئے</u> اُچھلتے نہیں
۲۔ <u>بات</u> باراں نے یاں <u>ڈبوئی</u> ہے
۳۔ <u>بیٹھے اُٹھتے نہیں</u> ہیں بام و در
۴۔ <u>جانیں</u> اک <u>سوکھتی</u> گھروں میں ہیں
۵۔ ہے <u>زراعت</u> جو پانی نے ماری

✳ نظم سے یکساں آواز والے الفاظ کی جوڑیاں بنائیے۔

✳ چوکون میں دیے ہوئے حروف کی مدد سے نظم میں آئے ہوئے قافیوں کو لکھیے۔

ب	ن	ل	ا	ب	غ
ا	گ	م	ن	ر	ط
ز	ا	ع	ب	ا	ی
ا	ہ	ا	ی	س	ا
ر	ل	ا	س	م	ر

* اس مثنوی میں دو مصرعے خاص توجہ کے لائق ہیں :

۱۔ کیا کہوں ، اب کی کیسی ہے برسات

۲۔ بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال

یہاں ’اب کی‘ اور ’اب کے‘ اُردو زبان کے روزمرہ میں اہمیت رکھتے ہیں۔ پہلی مثال میں یہ دراصل ’اب کی برسات‘ اور دوسری مثال میں ’اب کے سال‘ کے فقرے ہیں۔ یہاں لفظ ’برسات‘ مؤنث ہونے کی وجہ سے اس کے لیے حرفِ اضافت ’کی‘ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ ’سال‘ مذکر ہے اس لیے اس کے ساتھ حرفِ اضافت ’کے‘ لایا گیا ہے۔

* اس نظم میں شاعر نے بارش سے پیدا ہونے والے مسائل کا ذکر کیا ہے۔ سکے کا دوسرا رخ یہ ہے کہ بارش کا موسم کئی اعتبار سے مفید بھی ہے۔ اپنے چند دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر بارش سے ہونے والے فوائد کا تذکرہ کیجیے۔

مبالغہ

ذیل کا شعر پڑھ کر اس پر غور کیجیے۔

کیا کہوں ، اب کی کیسی ہے برسات
جوش باراں سے بہہ گئی ہے بات

شاعر بارش کی شدت کو بیان کر رہا ہے کہ اب کے سال اتنی شدید بارش ہوئی کہ اس کے جوش اور زور سے بات بھی بہہ گئی۔ ’بات کا بہنا‘ ایک محال بات ہے مگر شاعر نے اسے بھی بارش کے طوفان میں بہا دیا۔ شعر میں جب ایسی کوئی بات کہی جائے کہ اس کا واقع ہونا حقیقت سے پرے ہو تو اس صنعت کو مبالغہ کہا جاتا ہے۔

مبالغے کی دوسری مثالیں :

کہنے پڑے قصیدے کئی جس کی چال پر
کھوا ہے وہ چڑھائی پہ، ہرنی ہے ڈھال پر

مرغی کی طرح ڈھول پروں سے اُڑائے ہے
سو بار دن میں جیل کے رَستے دِکھائے ہے

* میرؔ کی مثنوی میں مبالغے کے ایسے کئی شعر ہیں، انھیں تلاش کر کے لکھیے۔

تشبیہ

بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال
چرخ گویا ہے آب در غربال

اوپر کے شعر میں شاعر نے چرخ یعنی آسمان کو غربال یعنی چھلنی کی طرح بتایا ہے۔ بارش کی بوندیں ایسی ٹپک رہی ہیں گویا چھلنی سے پانی ٹپکتا ہے۔ شعر میں آنے والا لفظ ’گویا‘ چرخ اور غربال کو باہم جوڑ رہا ہے۔ شاعری میں اس طرح ایک چیز کو دوسری چیز کی طرح بتانے کی صنعت ’تشبیہ‘ کہلاتی ہے۔ دوسری مثالیں : چاند سا چہرہ، پتھر جیسا دل، پھول جیسے ہونٹ وغیرہ۔

جس چیز کو تشبیہ دی جائے اسے ’مشبہ‘ اور جس چیز سے تشبیہ دی جائے اسے ’مشبہ بہٖ‘ کہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو ایک جیسا بتانے والے الفاظ (گویا، جیسے، طرح، سا، مثال، مانند، صورت وغیرہ) ’حروفِ تشبیہ‘ کہلاتے ہیں۔ درج بالا مثالوں میں چرخ، چہرہ، دل، ہونٹ مشبہ ہیں اور غربال، چاند، پتھر مشبہ بہٖ ہیں اور گویا، سا، جیسا، جیسے حروفِ تشبیہ ہیں۔

تشبیہ کی دوسری مثالیں :

جیسے دریا اُبلتے دیکھے ہیں
یاں سو پرنالے چلتے دیکھے ہیں

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

کلیوں کی طرح سے کھلتی ہوئی
پھولوں کی طرح سے ہنستی ہوئی
ساری شکلیں کھو جائیں گی

زمرد کی مانند سبزے کا رنگ
روِش کا جواہر ہوا جس سے سنگ

* ذیل کے شعر میں تشبیہ کے عوامل بتائیے۔

کیوں ٹمٹماتے کرمکِ شب تاب کی طرح
چرخ گویا ہے آب در غربال

۴ میرا سفر

علی سرؔدار جعفری

پہلی بات : زندگی کسی نہ کسی شکل میں زمین پر باقی رہتی ہے۔ بیج زمین پر گرتا اور اس سے ایک درخت پیدا ہو جاتا ہے۔ اس درخت میں شاخیں پھوٹتی ہیں، پھول اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ انھی پھلوں کے بیج دوبارہ زمین میں دب کر نئے پودوں اور درختوں میں بدل جاتے ہیں۔ ذیل کی نظم میں اسی تصور کو شاعرانہ ڈھنگ سے بیان کیا گیا ہے۔

جان پہچان : ترقی پسند شاعر علی سرؔدار جعفری ۱۹۱۳ء میں بلرام پور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے دہلی، لکھنؤ اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی اور اُردو، فارسی اور انگریزی ادب کا گہرا مطالعہ کیا۔ وہ اپنے زمانے کی مشہور ترقی پسند ادبی تحریک کے علمبرداروں میں سے تھے۔ انھوں نے کئی رسالوں اور اخباروں میں کام کیا اور ممبئی سے 'گفتگو' نامی ایک ادبی رسالہ بھی جاری کیا۔ سردار جعفری نے ابتدا میں افسانے لکھے مگر پھر وہ شاعری کے میدان میں آ گئے۔ 'پتھر کی دیوار، ایک خواب اور، پیراہنِ شرر' اور 'لہو پکارتا ہے' ان کی شاعری کے اہم مجموعے ہیں۔ وہ اچھے نثر نگار بھی تھے۔ 'ترقی پسند ادب، لکھنؤ کی پانچ راتیں، پیغمبرانِ سخن، اقبال شناسی' وغیرہ اُردو نثر میں ان کے مضامین پر مشتمل کتابیں ہیں۔ اپنی ادبی اور سماجی خدمات کے عوض انھیں 'گیان پیٹھ ایوارڈ، اقبال سمان اور پدم شری' جیسے اعزازات سے نوازا گیا۔ ۲۰۰۰ء میں ممبئی میں ان کا انتقال ہوا۔

پھر اک دن ایسا آئے گا
اک کالے سمندر کی تہہ میں
کلیوں کی طرح سے کھلتی ہوئی
پھولوں کی طرح سے ہنستی ہوئی
ساری شکلیں کھو جائیں گی
سب راگنیاں سو جائیں گی
بے جانے ہوئے، بے سمجھے ہوئے
ہر چیز بھلا دی جائے گی
یادوں کے حسیں بُت خانے سے
ہر چیز اُٹھا دی جائے گی
لیکن میں یہاں پھر آؤں گا
بچوں کے دہن سے بولوں گا
چڑیوں کی زباں سے گاؤں گا

جب بیج ہنسیں گے دھرتی میں
اور کونپلیں اپنی اُنگلی سے
مٹی کی تہوں کو چھیڑیں گی
میں پتّی پتّی ، کلی کلی
اپنی آنکھیں پھر کھولوں گا
سرسبز ہتھیلی پر لے کر
شبنم کے قطرے تولوں گا
سوکھے ہوئے پتوں سے میرے
ہنسنے کی صدائیں آئیں گی
دھرتی کی سنہری سب ندیاں
ہستی سے مری بھر جائیں گی
میں ایک گریزاں لمحہ ہوں
ایام کے افسوں خانے میں
میں ایک تڑپتا قطرہ ہوں
مصروفِ سفر جو رہتا ہے
ماضی کی صراحی کے دل سے
مُستقبل کے پیمانے میں
میں سوتا ہوں اور جاگتا ہوں
اور جاگ کے پھر سو جاتا ہوں
صدیوں کا پرانا کھیل ہوں میں
میں مر کے امر ہوجاتا ہوں

خلاصہ : یہ ایک استعاراتی نظم ہے۔ شاعر نے اس نظم میں مختلف استعاروں کے ذریعے زندگی کے سفر کو بیان کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایک دن ہر چیز موت کے اندھیرے میں گم ہوجائے گی۔ موت کے بعد ہر چیز کو بھلا دیا جائے گا مگر زمین پر زندگی ختم نہیں ہوگی۔ زمین پر بیج نمو پاتے رہیں گے، کلیاں کھلتی رہیں گی، ہرے بھرے پتوں پر شبنم گرتی رہے گی، پھول مسکراتے رہیں گے، بچے گیت گاتے رہیں گے، پرندے چہچہاتے رہیں گے، دریا بہتے رہیں گے کیونکہ زندگی کا قطرہ ماضی کی صراحی کی تہہ سے مستقبل کے پیمانے کی طرف سفر کرتا ہی رہے گا۔ جیسے کہ ایک بیج زمین سے اُگ کر نئے نئے پودے، پھول، پھل اُگاتا رہتا ہے۔

معانی واشارات

کالاسمندر	-	مراد موت	
دہن	-	منہ	
گریزاں	-	واپس جاتا ہوا	
ایام کے افسوں خانے میں	-	مراد دنیا میں جہاں دن رات آتے جاتے ہیں	
ایام	-	یوم کی جمع، دن	
افسوں خانہ	-	جادو کا گھر	
اَمَر	-	کبھی نہ مرنے والا	

مشق

* سردار جعفری کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

*

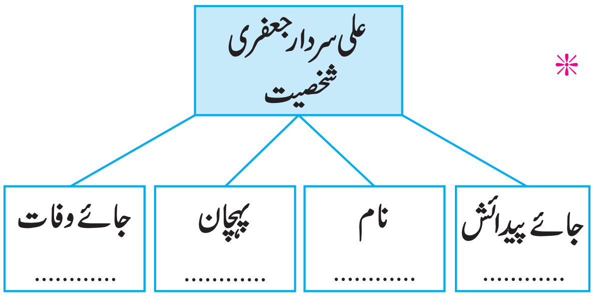

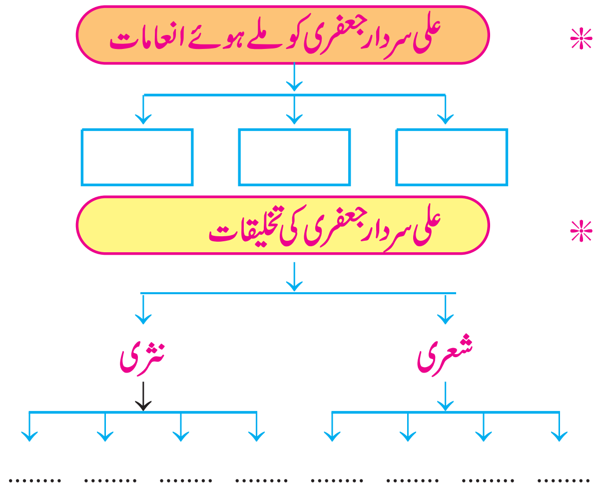

* سبق کے حوالے سے سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ 'کالے سمندر' سے شاعر کی مراد ہے ⟵

۲۔ 'کالے سمندر' میں ختم ہوجانے والی چیزیں ⟵

۳۔ نظم سے متضاد الفاظ کی دو جوڑیاں ⟵

۴۔ نظم سے ہم معنی الفاظ کی دو جوڑیاں ⟵

ذیل کی سرگرمیوں کو مختصراً مکمل کیجیے۔

* نظم 'میرا سفر' میں مذکور زمانہ حال کے بارے میں لکھیے۔

* 'صدیوں کے پرانے کھیل' کی وضاحت کیجیے۔

* اس نظم کے استعارے تلاش کرکے لکھیے۔

* درج ذیل لفظوں کے متضاد الفاظ نظم میں تلاش کیجیے :

ماضی، سفید، نیا، آکاش، مسجد، خار

* درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے :

میں سوتا ہوں اور جاگتا ہوں
اور جاگ کے پھر سو جاتا ہوں
صدیوں کا پرانا کھیل ہوں میں
میں مر کے امر ہوجاتا ہوں

* 'ایک پھول کی آپ بیتی' عنوان پر پندرہ سطروں کا مضمون لکھیے۔

* ہما اور رخ جیسے فرضی پرندوں کے بارے میں مشہور واقعات معلوم کرکے اپنے ہم جماعت ساتھیوں کو سنائیے۔

استعارہ

ذیل کے مصرعوں کو پڑھ کر ان پر غور کیجیے۔

ع : دل کی دنیا میں تو میں تجھ کو بہت ڈھونڈ چکا
ع : جیون کی گنگا ہے گہری
ع : یادوں کے حسیں بت خانے سے

ع : روشنی صبحِ وطن کی ہے کہ ماتم کا غبار

ان مصرعوں میں ’دل کی دنیا، جیون کی گنگا، یادوں کے حسین بت خانے، ماتم کا غبار‘ کی اضافتیں آئی ہیں۔ ان میں دل کو دنیا، جیون کو گنگا، یادوں کو بت خانے اور ماتم کو غبار کہا گیا ہے۔ اگر دل کو دنیا جیسا، جیون کو گنگا کی طرح، یادوں کو بت خانے جیسا اور ماتم کو غبار کی مانند کہا جاتا تو اس میں ایک چیز کو دوسری چیز کی طرح بتایا جاتا اور یہ تشبیہ کہلاتے مگر یہاں حروفِ تشبیہ (جیسا، طرح، مانند وغیرہ) استعمال نہیں کیے گئے ہیں۔ ایک چیز کو دوسری چیز ہی کہہ دیا گیا ہے یعنی دل دنیا کی طرح نہیں بلکہ اپنے آپ دنیا ہی ہے۔ اس طرح حروفِ تشبیہ کے بغیر ایک چیز کو دوسری چیز کہہ دینا ’استعارہ‘ کہلاتا ہے۔ اس میں مشبہ بہ اور مشبہ کو مستعار لہٗ اور مستعار مِنہٗ کہتے ہیں۔ اس طرح ایک چیز کو دوسری چیز کہنے کی کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے جو دو چیزوں کو ملاتی ہے۔

زندگی

تو اِسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں ، پیہم دواں ، ہر دم جواں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اِس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

۱۔ ’پیمانۂ امروز وفردا‘ کی وضاحت کیجیے۔
۲۔ کوہکن اور جوئے شیر کے متعلق مشہور واقعہ معلوم کرکے دس سطروں میں لکھیے۔
۳۔ جواں، گراں جیسے یکساں آواز والے الفاظ لکھیے۔
۴۔ دیے ہوئے شعروں میں سے وہ شعر لکھیے جو نظم ’میرا سفر‘ کے مضمون سے ملتا جلتا ہے۔
۵۔ اس نظم کے شاعر کا نام تلاش کرکے لکھیے۔

اشتہار کا نمونہ

قومی کونسل برائے فروغ اردو، دہلی اور
خدمت خلق آرگنائزیشن آف انڈیا، سولاپور کے زیرِ اہتمام

تاریخ
۱۸ جون تا ۲۵ جون ۲۰۱۴ء
صبح ۹ بجے سے رات ۸ بجے تک

بمقام
نارتھ کورٹ میدان،
پارک چوک، سولاپور

- شہر میں اب تک کا سب سے بڑا کتاب میلہ
- تاریخی، مذہبی، ادبی اور تفریحی کتابیں
- ادبِ اطفال پر کتابوں کا بہترین ذخیرہ
- ہر کتب فروش کی جانب سے خصوصی رعایت
- ملک بھر کے معتبر ناشرین اور کتب فروشوں کی شمولیت
- سوانح، مجموعۂ کلام، ناول، افسانے اور دیگر اصنافِ ادب کا نادر خزانہ
- اُردو زبان کے علاوہ دیگر زبان کی کتابیں بھی دستیاب
- ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں اس کتاب میلے کی اہم خصوصیت ہوں گی۔

رابطہ

الــــف	ســــیــــن	جــــیــــم

۵ تلک کی موت پر

پنڈت برج نرائن چکبست

پہلی بات : مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی کی موت پر مرنے والے کی خوبیاں بیان کر کے رنج و غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اُردو میں عام طور پر حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی کربلا میں شہادت کے بیان پر کہی گئی نظم کو 'کربلائی مرثیہ' کہتے ہیں۔ کربلا کے شہیدوں کے علاوہ دیگر کسی شخص کی موت پر کہے جانے والے مرثیے کو 'شخصی مرثیہ' کہا جاتا ہے۔ اس کی کوئی خاص ہیئت (شکل) مخصوص نہیں۔ غالبؔ نے اپنے بھانجے عارفؔ کا، حالیؔ نے غالبؔ کا اور اقبالؔ نے داغؔ کا مرثیہ لکھا ہے۔ ذیل میں جنگِ آزادی کے ایک مشہور رہنما بال گنگا دھر تلک کا مرثیہ دیا جا رہا ہے جسے چکبستؔ نے لکھا ہے۔

جان پہچان : پنڈت برج نرائن کا تخلص چکبستؔ تھا۔ وہ ۱۸۸۲ء میں فیض آباد (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ان کا پیشہ وکالت تھا۔ انھوں نے اپنی شاعری میں قوم و وطن کی محبت کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ وہ نظم کے شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں ہندوستانی تصورات کا رنگ ملتا ہے۔ 'آصف الدولہ کا امام باڑا'، 'پھول مالا' اور 'رامائن کا ایک سین' چکبستؔ کی مشہور نظمیں ہیں۔ 'کلیاتِ چکبستؔ' کے نام سے ان کی نظموں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ۱۹۲۶ء میں ان کا انتقال ہوا۔

موت نے رات کے پردے میں کِیا کیسا وار　　روشنی صبح وطن کی ہے کہ ماتم کا غبار
معرکہ سرد ہے ، سویا ہے وطن کا سردار　　طنطنہ شیر کا باقی نہیں ، سُونی ہے کچھار
بے کسی چھائی ہے ، تقدیر پھری جاتی ہے
قوم کے ہاتھ سے تلوار گری جاتی ہے

اُٹھ گیا دولتِ ناموسِ وطن کا وارث　　قومِ مرحوم کے اعزازِ کہن کا وارث
جاں نثارِ ازلی شیرِ دکن کا وارث　　پیشواؤں کے گرجتے ہوئے رَن کا وارث
تھی سمائی ہوئی پونا کی بہار آنکھوں میں
آخری دور کا باقی تھا خمار آنکھوں میں

موت مہراشٹ کی تھی یا ترے مرنے کی خبر　　مردنی چھا گئی ، انسان تو کیا پتھر پر
پتیاں جھک گئیں ، مرجھا گئے صحرا کے شجر　　رہ گئے جوش میں بہتے ہوئے دریا تھم کر
سرد و شاداب ہَوا رُک گئی کہساروں کی
روشنی گھٹ گئی دو چار گھڑی تاروں کی

تھا نگہبانِ وطن دبدبۂ عام ترا　　نہ ڈِگیں پاؤں ، یہ تھا قوم کو پیغام ترا
دل رقیبوں کے لرزتے تھے ، یہ تھا کام ترا　　نیند سے چونک پڑے ، سن جو لیا نام ترا

یاد کرکے تجھے مظلومِ وطن روئیں گے
بندۂ رسمِ جفا چین سے اب سوئیں گے

اوجِ ہمت پہ رہا تیری وفا کا خورشید　　موت کے خوف پہ غالب رہی خدمت کی اُمید
بن گیا قید کا فرمان بھی راحت کی نوید　　ہوئے تاریکیِ زنداں میں ترے بال سپید

پھر رہا ہے مری نظروں میں سراپا تِرا
آہ وہ قیدِ ستم اور بڑھاپا تِرا

معجزہ اشکِ محبت کا دِکھایا تو نے　　ایک قطرے سے یہ طوفان اُٹھایا تو نے
ملک کو ہستیِ بیدار بنایا تو نے　　جذبۂ قوم کے جادو کو جگایا تو نے

اِک تڑپ آ گئی سوتے ہوئے ارمانوں میں
بجلیاں کوند گئیں قوم کے ویرانوں میں

خلاصہ : اس مرثیے میں چکبستؔ نے مہاراشٹر کے ایک عظیم مصلح اور وطن کی آزادی کے متوالے بال گنگا دھر تلک کی موت پر اپنے تاثرات کا بڑے عمدہ انداز میں اظہار کیا ہے۔ چکبستؔ لکھتے ہیں کہ تلک نے ساری زندگی سماجی برائیوں اور آپسی اختلافات کو دور کرنے، عوام کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور اتحاد و اتفاق پیدا کرنے میں گزاری۔ رات کے پردے میں موت نے جو وار کیا وہ صبح کی روشنی کو داغدار کر گیا۔ لوگ یہ محسوس کرنے لگے کہ اب شیر (تلک) کی جگہ لینے والا کوئی نہیں رہا۔ ہر طرف ویرانی اور مایوسی کا عالم ہے۔ ان کی موت کی وجہ سے قوم کے ہاتھ سے گویا تلوار گر گئی ہے۔ تلک ملک و قوم اور عہد ماضی کی شان و شوکت کے وارث ہی نہ تھے بلکہ وہ ہر اُس شخص کے وارث اور امین تھے جس نے انگریزوں سے جنگ کی اور آزادی کی لڑائی میں حصہ لیا۔ تلک، ٹیپو سلطان کی شجاعت اور بہادری سے بہت متاثر تھے اسی لیے چکبستؔ نے انھیں ’جاں نثارِ ازلی شیر دکن کا وارث‘ کہا ہے۔ انگریزوں کے ظلم وستم سے مراٹھا پیشوا بھی ناراض تھے اس لیے شاعر نے تلک کو پیشواؤں کا بھی وارث کہا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ تلک کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود انگریزوں نے انھیں قید کر دیا تھا۔ ان کے انتقال کی خبر سے سارے مہاراشٹر میں غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی۔ لوگ انھیں ہمیشہ پرنم آنکھوں سے یاد کریں گے۔

معانی واشارات

معرکہ	-	جنگ
طنطنہ	-	رعب، شان و شوکت
کچھار	-	شیر کا غار
دولتِ ناموسِ وطن	-	وطن کی عزت کی دولت
قومِ مرحوم	-	مردہ قوم (انگریزوں کی غلامی میں ہونے کی وجہ سے شاعر نے قوم کو مردہ قرار دیا ہے)
اعزازِ کہن	-	پرانی عظمت
جاں نثارِ ازلی شیر دکن	}	ہمیشہ اپنے وطن پر جان نثار کرنے کے لیے تیار رہنے والا مراد ٹیپو سلطان
رَن	-	جنگ
مہاراشٹ	-	مہاراشٹر
دبدبہ	-	رعب
خمار	-	نشہ
ڈِگنا	-	جگہ سے ہٹنا
بندۂ رسمِ جفا	-	ظلم کرنے والے مراد انگریز
اوجِ ہمت	-	ہمت کی بلندی
نوید	-	خوش خبری
رقیب	-	دشمن

مشق

* صنف 'مرثیہ' کے حوالے سے خاکے کو مکمل کیجیے۔

غالبؔ	حالیؔ	اقبالؔ	چکبستؔ
↓	↓	↓	↓
....	....	....	....

* مرثیہ کی تعریف لکھیے۔
* ذیل کے بیان سے متعلق موزوں شعر لکھیے۔

۱۔ تلک کی موت کی وجہ سے ہر طرف سکوت طاری ہے۔ آزادی کا جوش و جذبہ سرد ہو چکا ہے۔

۲۔ وطن کی حفاظت کے لیے تمھارا دبدبہ مشہور تھا۔ آزادی کے لیے قدم نہ لڑکھڑائیں یہ پیغام تھا۔

۳۔ اب تمھیں یاد کرکے اہلِ وطن روئیں گے اور دشمن سکون کی نیند سوئیں گے۔

* الفاظ اور ان کے معنی کی مناسب جوڑیاں لگائیے۔

	الفاظ	معنی
۱۔	طنطنہ	پہاڑ
۲۔	ناموس	محافظ
۳۔	کہسار	عزّت
۴۔	نگہباں	دبدبہ

* دیے ہوئے الفاظ کی ضد مرثیے سے تلاش کرکے لکھیے۔

زیست، تیرگی، مردنی، ابدی، رفیق، ظالم

* خبر، شجر کے ہم صوت دو لفظ لکھیے۔
* اس شعر کی تشریح کیجیے۔

اِک تڑپ آ گئی سوتے ہوئے ارمانوں میں
بجلیاں کوند گئیں قوم کے ویرانوں میں

* درج ذیل شعر کی صنعت لکھیے۔

پتیاں جھک گئیں ، مرجھا گئے صحرا کے شجر
رہ گئے جوش میں بہتے ہوئے دریا تھم کر

* لفظ 'مظلوم' سے اسم فاعل اور فعل بنائیے۔

* انٹرنیٹ کے ذریعے بال گنگادھر تلک کے بارے میں معلومات حاصل کرکے اپنی بیاض میں لکھیے۔
* شیر دکن ٹیپو سلطان کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے۔

ٹیپو سلطان

ٹیپو سلطان میسور کی سلطنتِ خداداد کے بانی حیدر علی کے بیٹے تھے۔ ۱۷۵۰ء میں وہ حیدر علی کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام فتح علی تھا۔ ایک فقیر 'ٹیپو مستان شاہ' کے نام پر ان کا نام ٹیپو سلطان رکھا گیا۔ انھیں کئی علوم و فنون سکھائے گئے جن میں فنِ سپاہ گری پر خاص توجہ دی گئی۔ وہ ۱۷۷۲ء میں اپنے باپ کے جانشین ہوئے اور ارکاٹ کی جنگ میں صلح ہو جانے کے بعد ۱۷۸۳ء میں انھوں نے اپنی حکمرانی کا اعلان کیا جس کی وجہ سے ہمسایہ حکومتیں ان کی دشمن ہو گئیں۔ انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے بیٹوں کو یرغمال بنا کر ٹیپو سے کورگ کا علاقہ چھین لیا تھا۔ جس کی وجہ سے ٹیپو سلطان انگریزوں کے دشمن ہو گئے۔ انگریزوں نے نہایت مکر و فریب سے ٹیپو سلطان کے بہت سے امرا اور وزرا کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ دشمنوں سے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے وہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے ساتھ ہی میسور کی سلطنتِ خداداد ختم ہو گئی۔ ٹیپو سلطان نے اپنی سلطنت میں مذہبی رواداری اور باہمی بھائی چارگی کو فروغ دیا تھا۔ برادرانِ وطن کے لیے ان کے ذریعے بنایا ہوا مندر آج بھی ان کی مذہبی رواداری کا گواہ ہے۔

* ویب خاکہ مکمل کیجیے۔

سلطنتِ خداداد کے دشمن
↓
| .... | انگریز | .... |

٦ ایکتا کی آواز

بیکلؔ اُتساہی

پہلی بات : ہمارے وطن کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ یہاں کثرت میں وحدت یعنی انیکتا میں ایکتا پائی جاتی ہے۔ یہاں الگ الگ قسم کے لوگ رہتے ہیں جو رنگ، نسل، مذہب، زبان اور ذات پات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اتنے بڑے ملک میں مختلف قومیں مل جل کر رہتی ہیں۔ ذیل کی نظم میں بتایا گیا ہے کہ اپنے ملک کی سلامتی اور ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ہم آپسی اتفاق و اتحاد کو قائم رکھیں اور قومیت کے جذبے کے ساتھ آگے بڑھیں اور اسے فروغ دیں۔

جان پہچان : بیکلؔ اُتساہی کا اصل نام لودھی محمد شفیع خان تھا۔ وہ یکم جون ۱۹۲۸ء کو موضع گور رموا پور ضلع گونڈا (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز اسی گاؤں کے مدرسے سے ہوا۔ بلرام پور ریاست کے کالج میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۷۶ء میں راجیہ سبھا کے ممبر نامزد کیے گئے۔ بیکلؔ اُتساہی نے اُردو اور ہندی الفاظ کے حسین امتزاج سے اپنے گیتوں کو سنوارا اور قومی یکجہتی کے جذبات کو بھی اُبھارا۔ وہ مشاعروں کے مقبول شاعر تھے۔ امیر خسروؔ اور نظیرؔ اکبرآبادی کی طرح ان کی شاعری بھی عوامی تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ 'نشاطِ زندگی، نغمہ وترنم، پروائیاں' اور 'رنگ ہزاروں خوشبو ایک' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۳؍دسمبر ۲۰۱۶ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

خلوص دل میں لیے کارواں کے ساتھ چلو
مسافرو ! چلو عزمِ گراں کے ساتھ چلو
زمانہ ساتھ چلے ، انجمن بھی ساتھ چلے
بہار چوُمے قدم ، بانکپن بھی ساتھ چلے

وہ عزم ہو کہ جسے زندگی سلام کرے
قدم قدم پہ سکوں جشن اہتمام کرے
وطن کی لاج بنو ، قوم کا نکھار بنو
ہر ایک دل کے لیے حسنِ اعتبار بنو

بھلا دو فرقہ پرستی کی داستانوں کو
مٹا دو بڑھ کے تعصب بھرے جہانوں کو
قسم وطن کی تمھیں ، ایکتا کے گن گاؤ
دِلوں میں عظمتِ قوم و وطن کو چمکاؤ

قدم کے ساتھ اگر دِل ملیں تو بات بنے
جہاں بھی چاہو وہیں منزلِ حیات بنے

ہو ایک دل ذرا آواز بھی ملا کے چلو
چلو تو راہِ حوادث میں مسکرا کے چلو

خلاصہ : ہمارا ملک ہندوستان مختلف رنگ ونسل کے لوگوں، زبانوں اور مذاہب کا ملک ہے۔ شاعر ملک کی ترقی، خوش حالی، خلوص ومحبت، امن وسکون اور آپسی میل جول، قوم و وطن کی عظمت کے لیے تعصب اور فرقہ پرستی سے دور رہنے کا مشورہ دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ماضی کی پرانی فرقہ پرستی کی داستانوں کو بھلا کر ہم سب کو آواز سے آواز، قدم سے قدم اور دل سے دل ملا کر چلنا ہوگا۔ اُسے اُمید ہے کہ اس طرح راہ میں آنے والی ہر مصیبت آپ ہی آپ ہٹ جائے گی اور ملک تیزی سے ترقی کرے گا۔

معانی واشارات

ایکتا - وحدت، میل جول
عزمِ گراں - پکا ارادہ
حسنِ اعتبار - بھروسے کی خوبی
دل ملنا - میل جول بڑھنا
ایک دل ہونا - میل جول ہونا

مشق

* قافیہ لکھیے۔

سلام - .... بات - ....
گاؤ - .... نکھار - ....

* نظم سے قومی یکجہتی اور اتحاد کا درس دینے والا شعر تلاش کر کے لکھیے۔
* ”بھلا دو فرقہ پرستی کی داستانوں کو“ اس مصرعے کی وضاحت کیجیے۔
* نظم میں شاعر نے جو پیغام دیا ہے، اُسے اپنے الفاظ میں لکھیے۔
* صحیح متبادل کا انتخاب کیجیے۔

نظم میں شاعر نے ’چلو، بنو، کو‘ اِن الفاظ کا استعمال کیا ہے۔
انھیں .... کہتے ہیں۔
(الف) ردیف (ب) قافیہ
(ج) تکرار

* شعر کی تشریح کیجیے۔

قدم کے ساتھ اگر دل ملیں تو بات بنے
جہاں بھی چاہو وہیں منزلِ حیات بنے

* متعلقہ الفاظ کی جوڑیاں لگائیے۔

ستون ’الف‘	ستون ’ب‘
کارواں	ارادہ
انجمن	خوش نمائی
عزم	قافلہ
جشن	مجلس
حسن	خوشی کی محفل

* دیے ہوئے بیان سے متعلق شعر لکھیے۔

۱۔ ہمیشہ ملک کے اتحاد اور سالمیت کی بات کرو۔ وطن کا احترام کرو۔
۲۔ آپس کی فرقہ بندی اور تفریق کو ختم کردو۔
۳۔ زندگی اس طرح گزارو کہ ہر ایک فرد تم پر یقین کرے۔ تم ملک اور قوم کی عزّت اور وقار بنو۔

* جنوبی ہندوستان کی چار زبانوں کے نام لکھیے۔
* اس نظم کو جماعت میں ترنم سے پڑھیے۔

* اس چوکون میں درج ذیل لفظوں کے ہم قافیہ الفاظ تلاش کیجیے :

بیابانی ، بدن

ہ	و	گ	گ	ن	چ	ف
ر	م	ب	ن	ا	ن	ر
ن	گ	ہ	ن	ی	د	ا
و	ط	ن	د	ش	م	و
ر	س	ن	چ	ا	ن	ا
م	ن	چ	ل	ن	ن	ن
ن	گ	ہ	ب	ا	ن	ی

* اپنی بیاض میں حب الوطنی کے تین گیت نقل کیجیے۔
* وطنی شاعری پر ایک مضمون لکھیے۔

اُردو ادب اور قومی یکجہتی

بھارت مختلف قوموں، مذہبوں اور گوناگوں تہذیبوں کا ملک ہے۔ ہمارا ملک کثرت میں وحدت اور انیکتا میں ایکتا کے لیے مشہور ہے۔ اس ایکتا کو پروان چڑھانے اور اسے مضبوط بنانے کے لیے سماجی اور سیاسی سطح پر کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ دیوالی اور عید کے تہواروں میں یہاں مذہبی رواداری دِکھائی دیتی ہے۔ لوگ بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے کے تہواروں میں شریک ہوتے ہیں اور ان کا احترام بھی کرتے ہیں۔

قومی یکجہتی کو فروغ دینے میں ادب کے کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں تک اُردو ادب کا تعلق ہے، اُردو زبان خود گنگا جمنی تہذیب کی پیداوار ہے۔ یہ اسلامی اور ہندو تہذیب کا مرقع ہے۔ اُردو ادب میں قرآن و احادیث اور مسلمانوں کے قصے کہانیاں ملتی ہیں تو رامائن اور مہابھارت کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ اُردو کے صوفی شعرا نے جہاں ہندو روایات کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے، وہیں ہندو سنتوں نے بھی اُردو میں نعتیہ ادب کو پروان چڑھانے میں حصہ لیا ہے۔ اُردو کے شعری ادب میں ہندو شعرا کا طویل سلسلہ بھی ملتا ہے تو نثری ادب کے فروغ میں بھی ہندو ادیبوں کی خدمات کو بھلایا نہیں جاسکتا۔

ہندوستان کی تمام زبانوں میں اُردو زبان و ادب کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ قومی یکجہتی کو فروغ دینے والا ادبی سرمایہ اس میں سب سے زیادہ پایا جاتا ہے۔

۱۔ قومی یکجہتی کا ذکر جس نظم میں ہوا ہے اس کے چار اشعار لکھیے۔

۲۔ قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لیے آپ اپنے غیر مسلم دوستوں کے ساتھ عید الفطر کیسے منائیں گے؟ چند جملوں میں لکھیے۔

۳۔ اُردو کے چار غیر مسلم شعرا کے نام اور ان کی کتابوں کے متعلق معلومات لکھیے۔

۷ ہم نے کار خریدی

ساغرؔ خیامی

پہلی بات : پرانے زمانے میں کسی شخص کے امیر اور مالدار ہونے کی علامت یہ بتائی جاتی تھی کہ ”اس کے دروازے پر ہاتھی جھومتا ہے۔“ ہمارے زمانے میں کسی شخص کے گھر کے آگے اس کی کار کھڑی ہو تو وہ آسودہ حال سمجھا جاتا ہے۔ اب مالدار لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور کار عزّت و وقار سے زیادہ ضرورت کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔

ذیل کی نظم میں ایسی ہی دلچسپ صورتِ حال کو پیش کیا گیا ہے کہ پرانی کار خریدنے کے بعد شاعر کو اس قدر پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ اسے بیچنے پر مجبور ہو گیا۔

جان پہچان : ساغرؔ خیامی کا اصل نام سیّد رشید الحسن تھا۔ وہ ۷؍جون ۱۹۳۸ء کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سیّد اولاد حسین نقوی بھی شاعر تھے اور 'شاعرؔ لکھنوی' کے نام سے معروف تھے۔ ساغرؔ خیامی کے بھائی ناظرؔ خیامی بھی مقبول مزاحیہ شاعر تھے۔ ساغرؔ خیامی نے لکھنؤ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۹۷ء میں انھیں غالب ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ان کے تین شعری مجموعے 'انڈر کریز'، 'قہقہوں کی بارات' اور 'پسِ روشنی' شائع ہو چکے ہیں۔ ساغرؔ خیامی کو اُردو کے مزاح نگار شعرا میں اہم مقام حاصل ہے۔ ۱۹؍جون ۲۰۰۸ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

چاروں طرف سے بند ہے صندوق کی طرح — چلنے سے پہلے اُچھلے ہے بندوق کی طرح
لیتی ہے لمبی سانس بھی مدقوق کی طرح — چلتی ہے وہ سڑک پہ بھی معشوق کی طرح
اَڑ جائے تو قدم نہ اُٹھائے برائے سیر
چل جائے تو رُکے نہ وہ دیوار کے بغیر

پھٹکار ایسی کار کے ، ساغرؔ ، خیال پر — روتا ہے پھوٹ پھوٹ کے ماضی بھی حال پر
کہنے پڑے قصیدے کئی جس کی چال پر — کچھوا ہے وہ چڑھائی پہ ، ہرنی ہے ڈھال پر
اکثر مرے گھٹانے پہ اسپیڈ بڑھ گئی
اُڑ کر سڑک سے چاٹ کے ٹھیلے پہ چڑھ گئی

کیا کہیے جس طرح مرے جی کو جلائے ہے — آگے کو میں چلاؤں ، وہ پیچھے کو جائے ہے
مرغی کی طرح دھول پروں سے اُڑائے ہے — سو بار دن میں جیل کے رستے دِکھائے ہے
ہے کار کس کے پاس جو اتنی قدیم ہو
آئے جو باپ سامنے ، بیٹا یتیم ہو

گو ہے شکستہ حال ، پہ ہمت بلند ہے — کھینچے جو سوئے دار ، وہ ایسی کمند ہے
یہ ہی نہیں کہ صرف شرارت پسند ہے — پہیوں میں اس کے ، وقت کی رفتار بند ہے
چھوٹی ببول سے تو پھنسی آ کے نیم میں
ہٹلر کے کام آئی ہے جنگِ عظیم میں
موٹر خریدنے سے بڑا نام ہوگیا — کہتے ہیں لوگ آپ کو آرام ہوگیا
ان کو خبر نہیں ، مجھے سرسام ہوگیا — گھر جس کی دیکھ بھال میں نیلام ہوگیا
للہ میری جان عزیزی بچائیے
گاہک کوئی ملے تو مجھے بھی بتائیے

خلاصہ : اس نظم میں شاعر نے پرانی کار کے چلنے رکنے کی منظرکشی کی ہے۔شاعر کہتا ہے کہ یہ کار چاروں طرف سے صندوق کی طرح بند ہے۔ چلنے سے پہلے بندوق کی طرح اُچھلتی ہے اور معشوق کی طرح اِٹھلاتی ہوئی چلتی ہے۔اس کا چلانا مشکل ہے۔چل پڑے تو روکنا دشوار ہے۔شاعر اس وقت کو یاد کر کے روتا ہے جب یہ کار خریدی گئی تھی۔ یہ چڑھائی پر کچھوے کی طرح سست ہوجاتی اور ڈھلان پر ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی ہے۔اس کی اسپیڈ گھٹائیں تو بڑھ جاتی اور آگے چلاؤ تو یہ پیچھے چلتی ہے اس لیے کئی حادثوں کا شکار ہوتی ہے۔ یہ کار شکستہ حال ہے اور چلنے میں ناکام ہے گویا اس کے پہیوں میں وقت کی رفتار بند ہے۔موٹر خریدنے سے شاعر کی شہرت اور وقار میں اضافہ ضرور ہوا مگر وہ کئی مصیبتوں میں پھنس گیا ہے۔کاش کوئی اسے خریدلے تو شاعر کی جان چھوٹے۔

معانی واشارات

مدقوق	جسے دق کی بیماری ہو مراد بہت کمزور ولاغر	سوئے دار	پھانسی کے پھندے کی طرف
معشوق	بہت پیارا دوست	کمند	پھندا
پھٹکار	لعنت	ہٹلر	جرمنی کا مشہور ڈکٹیٹر
شکستہ حال	بری حالت والا	سرسام	ایک بیماری کا نام

مشق

* ”اُس کے دروازے پر ہاتھی جھومتا ہے۔“ اس بیان کی وضاحت کیجیے۔
* خاکہ مکمل کیجیے:

ساغر خیامی
- اصل نام
- پیدائش
- جائے پیدائش
- ملازمت
- ایوارڈ
- والد

ساغر خیامی کے شعری مجموعے
-
-
-

* ’بندوق، مدقوق، معشوق‘ ان الفاظ کے ذریعے کار کی بیان کی گئی کیفیتوں کو واضح کیجیے۔

الفاظ	کیفیت	الفاظ	کیفیت
بندوق	....	مدقوق	....
معشوق	....		

✳ **شعر کا مطلب لکھیے۔**

اُڑ جائے تو قدم نہ اُٹھائے برائے سیر
چل جائے تو رُکے نہ وہ دیوار کے بغیر

✳ **نظم سے ایسے مصرعے تلاش کر کے لکھیے جن میں صنعتِ تشبیہہ کا استعمال کیا گیا ہے۔**

✳ **"چھوٹی بول سے تو پھنسی آ کے نیم میں" اس مصرع کی طرح ایک کہاوت ہے۔ وہ کہاوت لکھیے۔**

✳ **مناسب جوڑیاں لگائیے۔**

الف	ب
قصیدہ	چڑھائی
کچھوا	ڈھال
ہرنی	چال

✳ **جملوں میں استعمال کیجیے۔**

(الف) اَڑ جانا (ب) اُڑ کر جانا

✳ **مطلب بیان کیجیے۔**

ا۔ آئے جو باپ سامنے، بیٹا یتیم ہو

۲۔ پہیوں میں اس کے، وقت کی رفتار بند ہے

✳ **قدیم - یتیم، نیم - عظیم کی طرح ہم صوت لفظوں کی جوڑیاں بنائیے۔**

✳ **شاعری کار کے بارے میں اپنی رائے لکھیے۔**

✳ **صنعتِ مبالغہ کا شعر لکھیے۔**

✳ **اپنی پسندیدہ کار کے بارے میں لکھیے۔**

✳ **مختلف کمپنیوں کی کاریں آپ نے دیکھی ہوں گی۔ چار دوستوں کا ایک گروپ بنا کر ان کاروں کے ناموں اور خوبیوں پر بات چیت کیجیے۔**

✳ **کوئی مزاحیہ نظم تلاش کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔**

✳ **اُردو میں مختلف سواریوں پر نظمیں لکھی گئی ہیں۔ ایسی تین نظمیں تلاش کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔**

✳ **نظم 'ہم نے کار خریدی' کے پہلے بند سے تشبیہہ کے مصرعے لکھیے۔**

میری سائیکل

آخر کار بائیسکل پر سوار ہوا۔ گھر سے نکلتے ہوئے کچھ تھوڑی سی اترائی تھی۔ اس پر سائیکل خود بخود چلنے لگی، لیکن اس رفتار سے جیسے تارکول زمین پر بہتا ہے، اور ساتھ ہی مختلف حصوں سے طرح طرح کی آوازیں برآمد ہونا شروع ہوئیں۔ ان آوازوں کے مختلف گروہ تھے: چیں، چاں، چوں کی قسم کی آوازیں زیادہ تر گدی کے نیچے اور پچھلے پہیے سے نکلتی تھیں۔ کھٹ، کھڑ کھڑ، کھڑر کی آوازیں مڈگارڈوں سے آتی تھیں۔ چر، چرخ، چرچرخ کی قسم کے سُر زنجیر اور پیڈل سے نکلتے تھے۔ زنجیر ڈھیلی تھی۔ پچھلا پہیہ گھومنے کے علاوہ جھومتا بھی تھا یعنی ایک تو آگے کو چلتا تھا اس کے علاوہ داہنے سے بائیں اور بائیں سے داہنے کو بھی حرکت کرتا تھا۔ چنانچہ سڑک پر جو نشان پڑ جاتا تھا اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سانپ لہرا کر نکل گیا ہے۔

پُرزے جواب تک سو رہے تھے بیدار ہو کر گویا ہوئے۔ اِدھر اُدھر کے لوگ چونکے۔ کھڑر کھڑر کے بیچ میں پہیوں کی آواز جدا سنائی دے رہی تھی، لیکن چونکہ بائیسکل اب پہلے سے تیز تھی اس لیے 'چوں چوں پھٹ' نے 'پچوں پھٹ' کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس قدر تیز رفتاری سے دو تبدیلیاں واقع ہو گئیں؛ ایک تو ہینڈل ایک طرف کو مڑ گیا۔ اس کے علاوہ بائیسکل کی گدی دفعتہً چھے اِنچ کے قریب نیچے بیٹھ گئی۔ چنانچہ جب پیڈل چلانے کے لیے میں ٹانگیں اوپر نیچے کر رہا تھا تو میرے گھٹنے میری ٹھوڑی تک پہنچ جاتے تھے۔

✳ **وجہ بیان کیجیے۔**

ا۔ سائیکل خود بخود چلنے لگی۔

۲۔ سڑک پر ایسا نشان پڑ جاتا جیسے سانپ لہرا کر نکل گیا ہے۔

۳۔ ادھر ادھر کے لوگ چونکے۔

۴۔ 'چوں چوں پھٹ' نے 'پچوں پھٹ' کی صورت اختیار کر لی تھی۔

۵۔ اس اقتباس میں آنے والی آوازوں کو ترتیب وار لکھیے۔

۶۔ اس اقتباس کے مصنف کا نام تلاش کر کے لکھیے۔

۸ صبح دم دروازۂ خاور کھلا

مرزا غالبؔ

پہلی بات : عام زندگی میں موقع بے موقع لوگ ایک دوسرے کی تعریف اور ستائش کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایک سماجی عمل ہے۔ تعریف کرنے والے کا کوئی مقصد ہوسکتا ہے اور جس کی تعریف کی جا رہی ہو، ممکن ہے کہ اپنی تعریف سن کر وہ تعریف کرنے والے کا کوئی کام بنا دے۔ عوام سے ہٹ کر یہ طریقہ پرانے زمانے میں امیروں، نوابوں اور بادشاہوں کے درباروں میں بھی رائج تھا۔ معاشرے کے عالم، فاضل، شاعر اور دوسرے فن کار درباروں میں اعزازات پاتے تھے جس کے صلے میں انھیں نوابوں، بادشاہوں کی تعریف و توصیف کرنی پڑتی تھی۔ خاص طور پر شاعر اپنی نظموں میں انعام و اکرام دینے والوں کی خوب بڑھا چڑھا کر تعریف کیا کرتا اور بدلے میں خطاب یا خلعت سے نوازا جاتا تھا۔ شاعری میں ایسی نظم کو **'قصیدہ'** کہتے ہیں۔ قصیدے میں یوں تو صرف ممدوح کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں مگر بعض قصیدوں میں وعظ و نصیحت اور وطنی حالات کی تفصیل بھی ملتی ہے۔ اُردو شاعری میں سوداؔ، انشاؔ، ذوقؔ اور غالبؔ کے قصیدے مشہور ہیں۔

جان پہچان : مرزا غالبؔ ۱۷۹۷ء میں اکبر آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام اسداللہ خاں اور لقب مرزا نوشہ تھا۔ دہلی کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ نے انھیں نجم الدولہ، دبیر الملک اور نظام جنگ کے شاہی خطابات بھی دیے تھے۔ جب انھوں نے شاعری شروع کی تو پہلے اسدؔ پھر غالبؔ تخلص اختیار کیا۔ غالبؔ نے شاعری میں اپنا انداز آپ ایجاد کیا۔ انھوں نے اُردو شاعری کو وقار اور اُردو غزل کو اعتبار بخشا۔ وہ دراصل غزل کے شاعر تھے لیکن انھوں نے قصیدہ، رباعی اور قطعہ جیسی اصناف میں بھی خوب اشعار کہے ہیں۔ فارسی نظم و نثر میں بھی ان کی کئی تصانیف مشہور ہیں۔ اُردو زبان میں پہلے پہل مکتوب نگاری کی روایت کو غالبؔ ہی نے فروغ دیا اور ایسی بے تکلفی سے عام زبان میں اپنے دوستوں کو خطوط لکھے جنھیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ دوست آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہوں۔ ۱۸۶۹ء میں غالبؔ کا انتقال دہلی میں ہوا۔

ذیل میں غالبؔ کا مشہور قصیدہ دیا جا رہا ہے جو اس صنف کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اس قصیدے میں غالبؔ نے جیسے الفاظ اور شعری ترکیبیں استعمال کی ہیں، ان سے قصیدے میں ایک شاہانہ شان پیدا ہوگئی ہے۔

قصیدہ اُردو شاعری کی ایک مقبول صنف رہا ہے۔ لفظ 'قصیدہ' کے معنی 'مقصود/ ارادہ' ہیں یعنی قصیدہ لکھتے وقت شاعر کا مقصد یا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی (نواب، امیر یا بادشاہ) کی خوب بڑھا چڑھا کر تعریف و توصیف کرے۔ اس سے شاعر کا مقصد نواب یا بادشاہ سے انعام و اکرام حاصل کرنا بھی ہوتا ہے۔ اپنے مقصد کی وجہ سے قصیدہ ایک موضوعی صنف ہے لیکن اس کی مخصوص ہیئت بھی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے اور بعد کے اشعار میں غزل کی طرح مطلع کے قافیوں کی پابندی کی جاتی ہے۔ قصیدے کے چند مخصوص اجزا ہیں۔ مطلع کے بعد اس کا پہلا جز آتا ہے جسے **'تشبیب'** کہتے ہیں۔ تشبیب کے اشعار میں شاعر کسی مخصوص موضوع مثلاً موسم، زمانے کے حالات، خود اس کی اپنی شاعرانہ حیثیت وغیرہ پر چند اشعار کہتا ہے۔ اس کے بعد قصیدے کا دوسرا جز 'گریز' آتا ہے۔ یہاں شاعر دوسرا مطلع بھی شامل کرسکتا ہے۔ گریز سے مراد یہ ہے کہ یہاں سے شاعر تشبیب کے موضوع سے گریز کر کے قصیدے کے مقصد یعنی نواب یا بادشاہ کی تعریف و توصیف میں اشعار شامل کرتا ہے۔ اس حصے کو **'مدح'** کہتے ہیں جو قصیدے کا خاص حصہ ہے۔ مدح کے بعد ممدوح سے شاعر کو انعام و اکرام کی توقع ہوتی ہے۔ وہ اس مقصد کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ یہ حصہ **'عرضِ مدعا'** یا **'حسن طلب'** کہلاتا ہے۔ اس کے بعد شاعر نواب یا بادشاہ کے لیے دعا پر قصیدے کو ختم کرتا ہے۔

صبح دم دروازۂ خاور کُھلا — مہرِ عالم تاب کا منظر کُھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف میں — شب کو تھا گنجینۂ گوہر کُھلا
ہیں کواکب کچھ ، نظر آتے ہیں کچھ — دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کُھلا
سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو — موتیوں کا ہر طرف زیور کُھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر — اِک نگارِ آتشیں رُخ سر کُھلا
بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و اماں کا در کُھلا
تاجِ زرّیں ، مہرِ تاباں سے سوا — خسروِ آفاق کے منہ پر کُھلا
شاہِ روشن دل بہادر شہہ کہ ہے — رازِ ہستی اُس پہ سر تا سر کُھلا
وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں — مقصدِ نُہ چرخ و ہفت اختر کُھلا
مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کے — منصبِ مہر و مہ و محور کُھلا
باغِ معنی کی دِکھاؤں گا بہار — مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کُھلا
پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال — پھر مہ و خورشید کا دفتر کُھلا
مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ — یاں عرض سے رُتبۂ جوہر کُھلا
مہر کانپا ، چرخ چکر کھا گیا — بادشہ کا رایتِ لشکر کُھلا
بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب — اب عُلوِّ پایۂ منبر کُھلا
ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے — اب فریبِ طغرل و سنجر کُھلا
ہوسکے کیا مدح ، ہاں اِک نام ہے — دفترِ مدحِ جہاں داور کُھلا
جانتا ہوں ہے خطِ لوحِ ازل — تم پہ اے خاقانِ نام آور کُھلا

تم کرو صاحب قرانی ، جب تلک
ہے طلسمِ روز و شب کا در کُھلا

خلاصہ : غالبؔ کا یہ قصیدہ مغل بادشاہ سراج الدین بہادر شاہ ظفرؔ کی مدح میں لکھا گیا ہے۔اس کی تشبیب میں غالبؔ نے فلکی اجسام (سورج، ستاروں) کے حوالے سے بادشاہ کے دربار کی آرائشوں کو خوب صورت زبان میں پیش کیا ہے۔گریز میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں سے بہادر شاہ کی شان و شوکت کہیں بڑھ کر ہے۔اپنے بارے میں خود شاعر کہتا ہے کہ ایسے عظیم بادشاہ کے دربار میں جا کر میری قدر و منزلت بھی خوب بڑھ گئی ہے۔میں جو بادشاہ کی مدح و ثنا کر رہا ہوں، بادشاہ اس سے زیادہ کے مستحق ہیں۔خدا کرے کہ بادشاہ سلامت رہتی دنیا تک حکومت کرتے رہیں۔

معانی واشارات

- دروازۂ خاور - سورج کا دروازہ مراد مشرق
- مہرِ عالم تاب - دنیا کو روشن کرنے والا سورج
- خسروِ انجم - ستاروں کا بادشاہ مراد سورج
- صرف میں آنا - خرچ کیا جانا
- کواکب - کوکب کی جمع، ستارے
- سطحِ گردوں - آسمان کی سطح
- نگارِ آتشیں رُخ - آگ جیسے (روشن) چہرے والا معشوق
- کعبۂ امن واماں - سکون اور امن کا مقام
- تاجِ زرّیں - سونے کا تاج
- مہرِ تاباں - روشن سورج
- سوا - زیادہ
- خسروِ آفاق - آسمانوں کا بادشاہ مراد بہادر شاہ ظفر
- (منہ پر) کھلا - اچھا لگا
- سرتاسر - پوری طرح
- صورتِ تکوین - تخلیق کی صورت یعنی وجود
- مقصدِ نہ چرخ وہفت اختر - نو آسمانوں اور سات ستاروں کی تخلیق کا مقصد
- منصبِ مہر ومہ ومحور - سورج، چاند اور زمین کے محور کا مقام
- باغِ معنی - طرح طرح کے معنی
- شاہِ سخن گستر - زود گو بادشاہ مراد شاعر
- مدحت طرازی - تعریف کرنا
- دفترِ مدحِ جہاں داور - دنیا کے بادشاہ کے قصیدے کا دفتر
- رتبۂ جوہر - اصل خوبی
- عرض - کسی چیز کے وجود کا سبب
- شکوہ - عظمت، بڑائی
- رایتِ لشکر - فوج کا جھنڈا
- عُلوِّ پایۂ منبر - منبر کے پایے کی بلندی
- فریبِ طغرل وسنجر - ترکستان کے بادشاہوں (طغرل و سنجر) کی اہمیت کا فریب
- خطِ لوحِ ازل - کائنات کی ابتدا میں لکھی گئی تختی کی تحریر (جس میں ازل سے ابد تک کے حالات درج کیے گئے ہیں)
- خاقان - چین کے بادشاہوں کا لقب
- خاقان نام آور - مشہور بادشاہ مراد بہادر شاہ
- صاحب قرانی - بہترین بادشاہت
- طلسمِ روز وشب - دن رات کا طلسم مراد زندگی

مشق

* ذیل کے اشعار کا مفہوم بیان کیجیے:

۱۔ صبح آیا جانبِ مشرق نظر	اِک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا
۲۔ وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں	مقصدِ نہ چرخ وہفت اختر کھلا

* بہادر شاہ کے تاریخی حالات معلوم کیجیے۔

ذیل کی سرگرمیاں ایک لفظ/ایک جملے میں مکمل کیجیے۔

* قصیدے کے اجزا

....

* غالب کے خطابات

....

✳ **صحیح متبادل لکھیے۔**

۱۔ قصیدے کے.................اجزا ہوتے ہیں۔

(i) پانچ (ii) چار

(iii) چھے (iv) سات

۲۔ قصیدہ ایک..............صنف ہے۔

(i) وارداتی (ii) موضوعی

(iii) معنوی (iv) تاریخی

۳۔ مرزا غالبؔ نے............کی روایت کو فروغ دیا۔

(i) قصیدہ نگاری (ii) نثر نگاری

(iii) مکتوب نگاری (iv) مثنوی نگاری

۴۔ مرزا غالبؔ کا لقب...................تھا۔

(i) مرزا اسداللہ

(ii) نجم الدولہ

(iii) مرزا اسداللہ خان

(iv) مرزا نوشہ

✳ **قصیدے میں استعمال کیے گئے سورج کے دیگر نام لکھیے۔**

✳ **بادشاہ کے لیے استعمال کیے گئے صفاتی نام لکھیے۔**

ذیل کی سرگرمیاں مختصراً مکمل کیجیے۔

✳ **قصیدے سے صنعتِ مبالغہ کا کوئی شعر لکھیے۔**

✳ **سورج کے کانپنے اور آسمان کے چکرانے کی وجہ لکھیے۔**

✳ **شاعر نے بادشاہ کے تاج اور سورج میں جو نسبت بیان کی ہے اسے لکھیے۔**

✳ **”بادشاہ کی حکمرانی میں کہیں بھی فتنہ وفساد نہیں تھا۔“ اس مفہوم کا شعر لکھیے۔**

✳ **”دن رات کا چکر جب تک چلتا رہے گا بادشاہ حکمرانی کرتے رہیں گے۔“ اس مفہوم والا شعر لکھیے۔**

✳ **اشعار کو غور سے پڑھیے اور وہ قصیدے کے کن اجزا سے لیے گئے ہیں ان کے نام لکھیے۔**

۱۔ پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال
پھر مہ و خورشید کا دفتر کھُلا

۲۔ بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب
اب عُلوِّ پایۂ منبر کھُلا

۳۔ تم کرو صاحب قِرانی ، جب تلک
ہے طلسمِ روز و شب کا در کھُلا

لطائفِ غالبؔ

☆ ماہِ رمضان ختم ہونے کے بعد مرزا غالبؔ عید ملنے کے لیے بہادر شاہ ظفر کے دربار میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے پوچھا، ”مرزا! تم نے روزے رکھے؟“
غالبؔ نے نہایت سادگی سے جواب دیا، ”پیرو مرشد! ایک نہیں رکھا۔“

☆ ایک روز سیّد سردار مرزا غالبؔ کے ہاں تشریف لائے۔ تھوڑی دیر بعد جانے لگے تو مرزا شمع دان لے کر لبِ فرش تک آئے تا کہ وہ روشنی میں جوتا دیکھ کر پہن لیں۔ سیّد سردار نے کہا، ”قبلہ و کعبہ! آپ نے اِس قدر زحمت فرمائی۔ میں اپنا جوتا پہن لیتا۔“ مرزا ہنس کر بولے، ”بھئی، میں آپ کا جوتا دِکھانے کو شمع دان نہیں لایا، بلکہ اس احتیاط سے لایا ہوں کہ کہیں آپ میرا جوتا نہ پہن لیں۔“

☆ آموں کا موسم تھا۔ بہادر شاہ ظفر چند مصاحبوں کے ہمراہ جن میں مرزا غالبؔ بھی تھے، باغ حیات بخش میں گلگشت کر رہے تھے۔ آم کے درخت رنگ برنگے آموں سے لدے ہوئے تھے۔ یہاں کے آم صرف بادشاہ، بیگمات یا دوسرے ممالک کے بادشاہوں کو تحفے میں بھیجنے کے لیے مخصوص تھے۔ مرزا غالبؔ کو آم بہت مرغوب تھے۔ وہ درختوں کے قریب جا کر آموں کو بار بار غور سے دیکھتے۔ بادشاہ نے پوچھا، ”مرزا! اس قدر غور سے کیا دیکھتے ہو؟“ مرزا نے دست بستہ عرض کیا، ”پیرو مرشد! یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے کہ دانے دانے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے، دیکھتا ہوں کہ کسی آم پر میرا نام بھی لکھا ہے یا نہیں۔“
بادشاہ یہ سن کر مسکرائے اور مرزا صاحب کے گھر عمدہ آم بھجوائے۔

۹ رباعیات

پہلی بات : کسی مخصوص موضوع پر مسلسل اشعار کے مجموعے کو نظم کہتے ہیں۔ اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جو مصرعوں یا اشعار کی تعداد کے مطابق پہچانی جاتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ چار مصرعوں اور ایک خاص وزن و بحر میں ادا کیے گئے شاعرانہ خیال کو 'رباعی' کہتے ہیں۔ اکثر اس کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ ہوتا ہے۔ (کبھی کبھی چاروں مصرعوں میں بھی قافیے استعمال کیے جاتے ہیں۔) رباعی میں شاعر جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس کا خیال پہلے مصرعے سے ترقی کرتا جاتا اور چوتھے مصرع میں اپنے عروج پر پہنچتا ہے۔ یہ مصرع بہت متاثر کرنے والا ہوا کرتا ہے۔ شاعر اس میں رباعی کے بہت وسیع خیال کو ایک نقطے پر مرکوز کر دیتا ہے اس لیے یہ مصرع بہت 'زوردار' ہوجاتا ہے اور بڑے خوب صورت اور چونکانے والے انداز میں شاعر کی بات کو مکمل کرتا ہے۔

یاد رہے کہ قطعہ بھی اکثر چار ہی مصرعوں کا مجموعہ ہوتا ہے مگر اس کے وزن و بحر مخصوص نہیں ہوتے اور نہ اکثر ان میں مطلع ہوتا ہے۔ یہ پابندی رباعی کے لیے لازمی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رباعی کہنا ایک مشکل کام ہے اس لیے فن کے ماہر شعرا اسے ایک چیلنج کے طور پر لکھتے ہیں۔ تمام بڑے اور اہم شعرا کے کلام میں رباعیاں ملتی ہیں۔ میر و سودا، انیس و دبیر، غالب و ذوق، اکبر و رواں، جوش و فراق، امجد و یگانہ سب نے رباعیاں کہی ہیں۔

میں یہاں بھی ہوں...

آٹھویں جماعت - اُردو بال بھارتی - صفحہ ۱۷۹

میر انیس

جان پہچان : میر ببر علی انیس ۱۸۰۲ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ وہ میر خلیق کے بیٹے اور میر حسن کے پوتے تھے۔ شاعری میں اپنے والد کے شاگرد تھے۔ انیس اُردو کے سب سے بڑے مرثیہ نگار تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان کا کلام فصاحت کا بہترین نمونہ ہے۔ انھوں نے شاعری کی دیگر اصناف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ 'رباعیاتِ میر انیس' ان کی رباعیوں کا مجموعہ زبان و بیان پر ان کی غیر معمولی قدرت کا مظہر ہے۔ ۱۸۷۴ء میں لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔

آنکھ ابرِ بہاری سے لڑی رہتی ہے　　اشکوں کی ردا منہ پہ پڑی رہتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں　　یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

میر دبیر

جان پہچان : مرزا سلامت علی دبیر ۲۹؍ اگست ۱۸۰۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ میر انیس کے ہم عصر تھے۔ اُردو شاعری میں انیس اور دبیر کے مرثیے مشہور ہیں۔ انیس کے مرثیوں کی زبان سادہ اور سلیس ہے جبکہ دبیر کے مرثیوں میں مشکل اور دقیق الفاظ زیادہ پائے جاتے ہیں۔ دبیر بنیادی طور پر مرثیہ گو تھے۔ دیگر مرثیہ گو شعرا کی طرح انھوں نے بھی رباعیاں کہی ہیں۔ ان رباعیوں میں دنیا کی بے ثباتی اور فکرِ آخرت کا درس مؤثر انداز میں نظم ہوا ہے۔ ۱۸۷۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔

ہر چشم سے چشمے کی روانی ہوجائے　　پھر تازہ مری مرثیہ خوانی ہوجائے
فضلِ باری سے ہوں یہ آنسو جاری　　ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہوجائے

اکبرالہ آبادی

جان پہچان : اکبرالہ آبادی ۱۶رنومبر ۱۸۴۶ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے وکالت کا امتحان پاس کر کے مختلف عہدوں پر ترقی حاصل کی اور ۱۸۹۴ء میں سیشن جج کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اکبر نے اُردو میں طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کو بنیاد بنا کر مغربی تہذیب اور طرزِ زندگی کو نشانۂ ملامت بنایا۔ شوخی، شگفتگی اور بذلہ سنجی ان کے کلام کی نمایاں خوبیاں ہیں۔ ان کی شاعری میں تعمیر اور اصلاح کا پہلو نمایاں ہے۔ ۱۵رفروری ۱۹۲۱ء کو الہ آباد میں ان کا انتقال ہوا۔

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
کچھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
عزّت کے لیے کافی ہے، اے دل، نیکی

فراقؔ گورکھپوری

جان پہچان : فراقؔ گورکھپوری کا اصل نام رگھوپتی سہائے اور فراقؔ تخلص تھا۔ ۲۸راگست ۱۸۹۶ء میں گورکھپور میں پیدا ہوئے۔ الہ آباد یونیورسٹی میں لیکچرر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ وہ اُردو غزل کے نمائندہ شاعر ہیں۔ ان کے شعری مجموعے 'گلِ نغمہ' کو گیان پیٹھ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اسی طرح ۱۹۶۰ء میں انھیں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ طویل علالت کے بعد ۳رمارچ ۱۹۸۲ء کو نئی دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

نظموں میں وطن ہی کی فضا ملتی ہے
دیہات کی مستانہ ہوا ملتی ہے
ساون کی گھٹائیں ہیں تو آموں کے باغ
گاتی ہوئی کویل کی نوا ملتی ہے

معانی واشارات

اشک - آنسو
رِدا - چادر
ساون بھادوں - برسات کا پہلا اور دوسرا مہینہ
چشم - آنکھ
فضلِ باری - خدا کی مہربانی
فلک - آسمان
نوا - آواز

مشق

رباعی نمبر۱

* درج ذیل خاکہ مکمل کیجیے۔

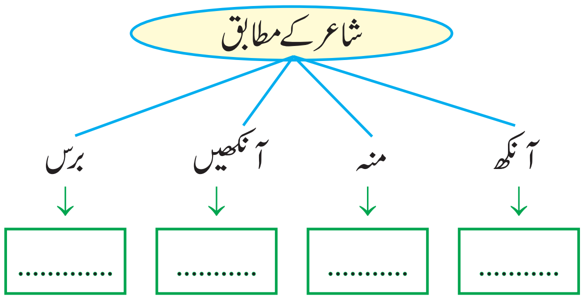

* "یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے۔" اس مصرع کی وضاحت کیجیے۔

* ہم معنی لفظ لکھیے۔

آنکھ ↔ .... اشک ↔ ....

ساون ↔ .... ردا ↔ ....

برس ↔ ....

رباعی نمبر۲

* حروفِ تہجی کی ترتیب میں لکھیے۔

چشم ، تازہ ، فضل ، شرم

* شعر کی تشریح کیجیے۔

فضلِ باری سے ہوں یہ آنسو جاری
ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہوجائے

* دبیر کی رباعی کی ردیف لکھیے۔

* ہم قافیہ الفاظ تلاش کر کے لکھیے۔

رباعی نمبر۳

* شعر کی تشریح کیجیے۔

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی

* واوِ عطف سے بنی دو ترکیبیں لکھیے۔

مثال - صنعت وزراعت

رباعی نمبر۴

* ویب خاکہ مکمل کیجیے۔

لفظ 'فضا' کے ہم قافیہ الفاظ
↓

....

* رباعی کے حوالے سے جوڑیاں لگائیے۔

	ستون 'الف'	ستون 'ب'
۱۔	نظم	آم کا باغ
۲۔	دیہات	نوا
۳۔	ساون کی گھٹا	مستانہ ہوا
۴۔	کویل	وطن کی فضا

* ہم معنی لفظ لکھیے۔

(الف) فضا (ب) آواز

(الف)

(ب)

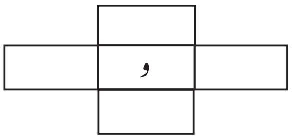

* فراق کی رباعی کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

* نیچے دیے ہوئے مصرعوں کی درست جوڑیاں لگائیے :

	ستون 'الف'	ستون 'ب'
۱۔	فضلِ باری سے ہوں یہ آنسو جاری	ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
۲۔	ساون کی گھٹائیں ہیں تو آموں کے باغ	یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے
۳۔	ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی	ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہوجائے
۴۔	دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں	گاتی ہوئی کویل کی نوا ملتی ہے

۱۰ قطعات

پہلی بات : غزل یا قصیدے میں جب کوئی شاعرانہ خیال دو یا دو سے زیادہ شعروں میں ادا کیا جاتا ہے تو ایسے شعروں کے مجموعے کو قطعہ کہتے ہیں۔ اگر یہ غزل یا قصیدے ہی میں ہوں تو انھیں قطعہ بند اشعار بھی کہا جاتا ہے۔ آج کل غزل یا قصیدے میں ایسے مسلسل اشعار نظم نہیں کیے جاتے۔ شاعر الگ سے دو یا زیادہ شعروں میں کوئی مسلسل مضمون نظم کرے تو اسے 'قطعہ' کہتے ہیں۔ یہ غزل یا قصیدے کی طرح قافیوں / ردیفوں کی پابندی سے کہے جاتے ہیں مگر ان میں مطلع ہونا ضروری نہیں (ہو بھی سکتا ہے)۔

اُردو شاعری میں قطعہ بہت مقبول رہا ہے۔ بہت سے شاعروں نے صرف قطعات لکھ کر شہرت حاصل کی ہے جیسے اخؔتر انصاری، نریش کمار شاؔد وغیرہ۔ آج کل مشاعروں میں زیادہ تر شعرا اپنا کلام سنانے سے پہلے دو چار قطعات ضرور سناتے ہیں۔ اس سے قطعے کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ذوقؔ دہلوی

جان پہچان : شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ ۱۷۹۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ انھیں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے استاد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ بادشاہ نے انھیں 'ملک الشعرا' اور 'خاقانی ہند' کے خطابات سے نوازا تھا۔ ذوقؔ بنیادی طور پر قصیدے کے شاعر ہیں۔ سوؔدا کے بعد وہ اُردو کے سب سے بڑے قصیدہ نگار مانے جاتے ہیں۔ ۱۸۵۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔

تو بھلا ہے تو بُرا ہو نہیں سکتا اے ذوقؔ
ہے برا وہ ہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے
کیوں برا کہنے سے تو اُس کے برا مانتا ہے

وحید الدین سلیمؔ

جان پہچان : مولوی وحید الدین سلیمؔ ۱۸۶۹ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے پانی پت میں حاصل کی۔ پھر لاہور میں تعلیم مکمل کرکے وہیں مشرقی زبانوں کے استاد ہوگئے۔ ۱۸۹۴ء میں سرسیّد کے بلاوے پر وہ علی گڑھ آئے جہاں انھوں نے 'انجمن مترجمین' قائم کی۔ حیدر آباد میں جب عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام ہوا تو مولوی سلیمؔ اس کے دارالترجمہ میں ترجمہ کمیٹی کے سربراہ مقرر ہوئے۔ یہاں انھوں نے اُردو کی اصطلاحوں پر بہت اہم کام کیے۔ 'افاداتِ سلیمؔ'، 'افکارِ سلیمؔ' اور 'وضعِ اصطلاحات' ان کی تصانیف ہیں۔ آخری زمانے میں صحت کی خرابی کے سبب وہ ملیح آباد چلے گئے اور ۱۹۲۸ء میں وہیں ان کا انتقال ہوا۔

کیا لے گا خاک، مردِ افتادہ بن کے تو
طوفان بن کہ ہے تری فطرت میں انقلاب
کیوں ٹمٹمائے کرمکِ شب تاب کی طرح
بن سکتا ہے تو اوجِ فلک پر اگر شہاب
وہ خاک ہو کہ جس سے گلے ریزہ ہائے زر
وہ سنگ بن کہ جس سے نکلتے ہیں لعلِ ناب
چڑیوں کی طرح دانے پہ گرتا ہے کس لیے
پرواز رکھ بلند کہ تو بن سکے عقاب
وہ چشمہ بن کہ جس سے ہوں سرسبز کھیتیاں
رہرو کو تو فریب نہ دے صورتِ سراب

اخترؔ انصاری

جان پہچان : اخترؔ انصاری یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء میں بدایوں (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ دہلی میں گزرا۔ انھوں نے ۱۹۲۸ء میں شاعری کا آغاز کیا۔ اس زمانے کے عام رواج کے برخلاف غزل کی بجائے رباعی اور قطعہ نگاری کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اپنی شناخت قائم کی۔ ان کے شعری مجموعے 'خوناب' سے ان کی قوتِ تخیل کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے قطعات میں اس صنف کی تمام تر خوبیاں فکری اور فنی پہلوؤں کے ساتھ اُجاگر ہیں۔ ۶/ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو علی گڑھ میں انتقال ہوا۔

قدم آہستہ رکھ کہ ممکن ہے — کوئی کونپل زمیں سے پھوٹتی ہو
یا کسی پھول کی کلی سرِ دست — مزے خوابِ عدم کے لوٹتی ہو

ساحرؔ لدھیانوی

جان پہچان : ساحرؔ لدھیانوی کا اصل نام عبدالحئی تھا۔ ۸/ مارچ ۱۹۲۱ء کو لدھیانہ (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ فلموں کے ایک نغمہ نگار کی حیثیت سے مقبولیت حاصل کی۔ ساحرؔ ترقی پسند تحریک سے بھی وابستہ تھے۔ 'پر چھائیاں'، 'تلخیاں' اور 'گا تا جائے بنجارہ' ان کی غزلوں اور نظموں کے مجموعے ہیں۔ ۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو ممبئی میں انتقال ہوا۔

نہ منہ چھپا کے جیے ہم، نہ سر جھکا کے جیے — ستمگروں کی نظر سے نظر ملا کے جیے
اب ایک رات اگر کم جیے تو کم ہی سہی — یہی بہت ہے کہ ہم مشعلیں جلا کے جیے

عبدالحمید عدمؔ

جان پہچان : سیّد عبدالحمید عدمؔ ۱۰/ اپریل ۱۹۱۰ء کو تلونڈی موسیٰ خان، گوجراں والا (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ دوسری جنگِ عظیم تک انھوں نے فوج میں ملازمت کی۔ عبدالحمید عدمؔ کی شاعری اپنے رومانی اور منفرد انداز کے سبب بہت مقبول ہوئی۔ 'نقشِ دوام'، 'خمِ ابرو'، 'ساز و صدف'، 'رمِ آہو'، 'بربط و جام' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ ۱۰/ مارچ ۱۹۸۱ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

ساحل پہ اک تھکے ہوئے جوگی کی بنسری — تلقین کر رہی ہے کنارا ہے زندگی
طوفان میں سفینۂ ہستی کو چھوڑ کر — ملّاح گا رہا ہے کہ دریا ہے زندگی

معنی و اشارات

مردۂ اُفتادہ	–	پڑا ہوا مردہ
کرمکِ شب تاب	–	جگنو
اوجِ فلک	–	آسمان کی بلندی
شہاب	–	ستارہ
ریزہ ہائے زر	–	سونے کے ذرّات
صورتِ سراب	–	سراب کی طرح
خوابِ عدم کے مزے لوٹنا	}	مراد وجود میں نہ آنا، عدم کی نیند میں مست ہونا

مشق

قطعہ نمبر۱

* قطعہ میں 'تو' سے مراد.................ہے۔

(i) سامع (ii) شاعر

(iii) پڑھنے والا (iv) پڑھانے والا

* شاعر کی نصیحت کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
* ردیف اور قافیے کو الگ کیجیے۔

قطعہ نمبر۲

* وحیدالدین سلیم کے اس قطعے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔
* اس قطعے میں شبِ تاب، اوجِ فلک، لائہ ناب اور صورتِ سراب کی طرح ایک اور ترکیب موجود ہے۔ اسے تلاش کر کے لکھیے۔

قطعہ نمبر۳

* 'قدم آہستہ رکھ' اس فقرے کی وضاحت کیجیے۔
* قطعے کے مرکزی خیال کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

قطعہ نمبر۴

* غیر متعلقہ ناموں کو الگ کیجیے۔

ان میں سے کون سا ساحر کا شعری مجموعہ نہیں ہے؟

(i) پرچھائیاں (ii) تلخیاں

(iii) گاتا جائے بنجارہ (iv) مشعل

* منہ چھپاکے اور سر جھکا کے جینے کا مطلب لکھیے۔
* ستمگروں کی نظر سے نظر ملا کے جینے کو واضح کیجیے۔

قطعہ نمبر۵

* قطعے میں مذکور زندگی کے روپ کو بیان کیجیے۔
* قطعے سے دو ہم معنی الفاظ اور دو متضاد الفاظ لکھیے۔
* پہلے اور دوسرے شعر کے بنیادی فرق کو بیان کیجیے۔
* چند قطعات تلاش کر کے اپنی بیاض میں لکھیے۔

انفارمیشن ٹکنالوجی

جب ہم 'انفارمیشن ٹکنالوجی' (IT) کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں فوراً ہی کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا خیال آتا ہے۔ انفارمیشن ٹکنالوجی (جسے اُردو میں 'اطلاعاتی تکنیک' کہتے ہیں) ایک وسیع تاریخی پس منظر رکھتی ہے۔ اس نظام میں کمپیوٹر کے سافٹ ویئر اور ہارڈ ویئر کے ساتھ ڈاٹا، تصاویر، آواز وغیرہ کو انٹرنیٹ سے مربوط کیا جاتا ہے۔ اس کے پیش نظر انفارمیشن ٹکنالوجی کی تعریف ان لفظوں میں کی جاسکتی ہے –

"اطلاعات کو محفوظ کرنے، بھیجنے، وصول کرنے، ان کا تعامل (پروسیسنگ) اور انھیں پیش کرنے کے لیے استعمال ہونے والی ٹکنالوجی کو انفارمیشن ٹکنالوجی کہا جاتا ہے۔"

آج کے دور میں جب ہم انفارمیشن ٹکنالوجی کا تذکرہ کرتے ہیں تو کمپیوٹر کا نام زبان پر لائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کمپیوٹر کی روز بروز بڑھتی ہوئی ترسیلی رفتار نے بہت سے ایسے کام ممکن کر دِکھائے ہیں جو اس سے پہلے یا تو ناممکن تھے یا پھر اتنے زیادہ مشکل تھے کہ انھیں کوئی انجام دینے کے بارے میں سوچنے کی ہمت بھی نہیں کرتا تھا۔ کمپیوٹر سائنس وہ علم ہے جس میں کمپیوٹر کے مختلف تکنیکی پہلوؤں کا احاطہ کیا جاتا ہے جیسے کمپیوٹر کا ڈیزائن (ساخت)، کمپیوٹر کے کام کرنے کا طریقہ یعنی کمپیوٹر میں ہونے والا حساب کتاب، ڈاٹا پروسیسنگ اور سسٹم کنٹرول وغیرہ۔

یوں تو کمپیوٹر سائنس کا بیشتر حصہ سافٹ ویئر ڈیزائننگ اور ان کے کام کرنے کے طریقۂ کار کو سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے لیکن کئی مواقع پر ہارڈ ویئر کا شعبہ بھی کمپیوٹر سائنس کے تحت آتا ہے۔ خصوصاً ایک موقع پر جہاں کسی سافٹ ویئر اور ہارڈ ویئر میں باہمی تعلق پیدا کرنا مقصود ہو۔ مثال کے طور پر پرنٹر، مانیٹر، مدر بورڈ، لین کارڈ، گرافک کارڈ وغیرہ کے لیے مخصوص سافٹ ویئرز تیار کرنے میں۔ ان آلات کو ڈرائیورز بھی کہا جاتا ہے۔